خطبہ استقبالیہ

بسلسلۂ

مذاکرہ علمی عالمی رابطہ ادب اسلامی

منعقدہ

دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

بتاریخ

۱۶ تا ۱۸ جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ

مطابق

۱۰ تا ۱۲ نومبر ۱۹۹۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ استقبالیہ

صدر عالی مرتبت، مہمانان محترم! حاضرین کرام!

آج کی صبح کیسی جاں نواز اور آج کا دن کتنا مبارک ہے!

چہ مبارک سحرے بود و چہ فرخندہ شبے

جب ہمیں اس کاروان علم و دانش کا خیر مقدم کرنے کی سعادت میسر آتی ہے، جس کے ایک ہاتھ میں دین و مذہب کا علم اور دوسرے میں علم و ادب کا پرچم ہے

در کفِ جامِ شریعت در کفِ سندانِ عشق ہر ہوسناکے نہ داند جام و سنداں باختن

جو علامہ شبلی اور مولانا حمید الدین فراہی کے گلشن حکمت، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالسلام ندوی اور مولانا مسعود علی ندوی کے چمنستان علم اور مولوی اقبال احمد خاں سہیل اور مرزا احسان احمد کے شہر ادب میں بہار جاں فزا لے کر آیا ہے،

شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک کی دانشگاہوں اور جامعات عربیہ کے یہ علماء و فضلاء اس مقدس ہستی کی سربراہی میں یہاں جلوہ فگن ہوتے ہیں جو اس دور میں علامہ اقبال کے پیر رومی کے مانند ہے

پیر رومی، مرشد روشن ضمیر کاروان عشق و مستی را امیر

جس کا غلغلہ عرب و عجم میں یکساں بلند ہے

هذا الذي يعرف البطحاء وطاءته البيت يعرفه والحل والحرم

جس کا دردمند دل اسلام کے غلبہ اور مسلمانوں کی سربلندی ہی کے لئے تڑپ نہیں رہا ہے بلکہ وہ اپنے ملک اور ہندوستانی قوم کو بھی فرقہ پرستی اور نفرت و تشدد کی بھڑکتی ہوئی اس آگ سے نکالنے کے لئے بے چین و بے قرار ہے جس نے اسے تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا ہے، وہ جس طرح عرب اور یورپ کے ملکوں میں پیغام محمدی پہنچانے کے لئے برابر شدّ رحال کرتا رہتا ہے، اسی طرح اپنے ملک کو اس کے شہروں اور گاؤوں کی خاک چھان کر امن، انسانیت، محبت اور اخوت کا پیغام دیتا رہا ہے

میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

میری مراد شہرۂ آفاق عالم و مصنف حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ سے ہے جو

حضرت سید احمد شہیدؒ کے دودمان عالی کے چشم و چراغ اور اس ملک میں سرمایہ ملت کے محافظ اور پاسبان ہیں۔

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہباں اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

ان ہی کے جلو میں ملک کے گوشے گوشے سے علم و ادب کے یہ سیّارے اعظم گڑھ کے افق پر اپنی چمک دمک دکھانے کے لئے مجتمع ہوئے ہیں اور اعظم گڑھ اپنی اس خوش قسمتی پر نازاں ہے کہ

شد از عرار و یاسمین فضائے دہر عنبریں کہ ژالہ بر رخ زمیں رشاشۂ گلاب زد

اس وقت ان حضرات کے جو یہاں رونق افروز ہیں، اگر میں محامد و مناقب کے دفتر کھولوں تو اسے بند کرنا مشکل ہوگا اور پھر بھی گفتگو تشنہ رہ جائے گی اس لئے میں ان حضرات سے معافی چاہتے ہوئے اور آپ سے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھتا ہوں کہ یہ حسین لیل و نہار اور قلب و نظر کو طراوت اور تازگی بخشنے والی صبح و شام ہمیشہ نصیب نہیں ہوتی ؎ کہ آتی نہیں فصل گل روز روز

مہمانان گرامی قدر!

جس سرزمین پر آپ نے قدم رنجہ فرمایا ہے، یہ اس وقت اگر چہ ملک کا بہت پس ماندہ علاقہ ہے جس کو آمد و رفت کے جدید وسائل اور آسانیاں تک میسر نہیں ہیں، ایسے دور افتادہ شہر میں ہر طرح کی زحمت سفر برداشت کر کے آپ کا تشریف لانا علامہ شبلی اور ان کی یادگار دارالمصنفین سے آپ کی محبت کا ثبوت ہے، آپ نے اس ویرانہ میں رونق افروز ہو کر کارکنان دارالمصنفین کی جو عزت افزائی فرمائی ہے، اس کے شکریے کے لئے ان کے پاس الفاظ نہیں ہیں، میں اپنی طرف سے، ان سب کی طرف سے، اہل اعظم گڑھ کی طرف سے اور خود صدر عالی مقام کی طرف سے جو اس ادارہ کے سربراہ ہیں، آپ کا تہہ دل سے استقبال کرتا ہوں۔

اے آمدنت باعث آبادی ما

حضرات! یہ ویرانہ مدت دراز سے علمی حیثیت سے نہایت زرخیز اور شاداب رہا ہے۔ اعظم گڑھ کو ضلع کی حیثیت انگریزوں کے زمانے میں حاصل ہوئی، اس سے پہلے یہ علاقہ سرکار جون پور میں شامل تھا، جون پور کا نام سن کر یقیناً آپ کو قرطبہ و غرناطہ اور شیراز و اصفہان یاد آگئے ہوں گے، اس سے چند میل کے فاصلے پر پورب میں ظفرآباد ہے جو سنسکرت میں بنیجہ کہلاتا تھا جس کے معنی ودیا بھومی یعنی سرزمین علم کے ہیں، جون پور کو شاہان شرقیہ کے زمانے میں بڑا عروج نصیب ہوا، شرقی سلاطین کی علوم و معارف پروری نے اسے مورخ فرشتہ کے بقول

دارالعلم اور دہلی ثانی بنا دیا تھا، یہاں عظیم الشان مسجدیں، خانقاہیں اور مدرسے قائم ہوئے جن پر بڑی بڑی جائدادیں وقف تھیں، مسجدوں کی طرح خانقاہیں بھی تعلیم گاہوں کا کام دیتی تھیں، اُس زمانے کے مدرسے آج کل کے کالجوں کے برابر تھے جن میں مشہور و ماہرفن اساتذہ تدریس پر مامور تھے، مدرسوں کی مستقل عمارتیں بھی تھیں جن کے ساتھ دارالاقامہ، مسجدیں اور کتب خانے بھی ہوتے تھے، گاؤں گاؤں میں شرفا آباد ہوگئے تھے، قصبے، قاضیوں، مفتیوں، عالموں اور صوفیوں سے معمور تھے۔

لیکن حکومت اور اقتدار کتنا عارضی اور ناپائدار ہوتا ہے، لودھیوں نے شرقی سلطنت کے پرخچے اڑا دیئے۔ تاہم جون پور نے اپنی کھوئی ہوئی علمی حیثیت و مرکزیت جلد ہی دوبارہ حاصل کرلی، جس کی وجہ سے مغل فرماں روا شاہجہاں کو یہ کہنا پڑا کہ "مملکت پورب شیراز ماست"

اعظم گڈھ اسی دارالعلم اور شیراز ہند کا ایک حصہ تھا اس لئے یہاں کے قصبے اور قریے بھی اہل علم و کمال، اصحاب درس و افتا اور ارباب زہد و صلاح سے معمور تھے، چریاکوٹ، گھوسی، محمد آباد، ولید پور، بھیرہ، نظام آباد، سرائے میر، ماہل اور دیو گاؤں شرقی و تیموری سلاطین کے عروج و اقبال کی طرح ان کی علمی شان و شوکت کا تماشا بھی دیکھ چکے ہیں۔ مگر جون پور کی قربت و تعلق کی بنا پر یہاں کے اکثر علماء و فضلا اسی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔

حاضرین کرام!

اعظم گڈھ کے قصبات و قریٰ میں آٹھویں صدی ہجری ہی سے علمی سرگرمیاں شروع ہوگئی تھیں، اسی دور میں محمد آباد میں شیخ خلیل اللہ فاروقی متوطن ہوئے جن کے خاندان کو بڑی دینی و دنیاوی وجاہت حاصل ہوئی، مولانا غلام فرید کا تعلق اسی خانوادے سے تھا جن کی وفات بارہویں صدی ہجری کے آخر میں ہوئی، ان کے علاوہ بھی متعدد اصحاب علم و کمال یہاں گزرے ہیں، چریاکوٹ میں عباسی شیوخ و قضاۃ فروکش ہوئے اور بہت سے علماء و اعیان اس کی خاک سے اٹھے، آخر میں مولانا عنایت رسول صاحب بشریٰ اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا فاروق چریاکوٹی پیدا ہوئے، اول الذکر سر سید احمد خاں مرحوم کے اور موخر الذکر علامہ شبلی کے استاذ تھے۔

ولید پور۔ بھیرہ اور لہرا میں شیخ ابو الخیر بھیروی (م ۱۰۵۶ھ) ملا محمود جون پوری صاحب شمس بازغہ و فرائد البلاغۃ (م ۱۰۶۲ھ) شاہ ابو الغوث گرم دیوان بھیروی لہراوی (م ۱۱۰۸ھ) اور ان

کے صاحبزادے شاہ ابو اسحٰق بھیروی، لہراوی وغیرہ علم و ارشاد کی زینت تھے، آخر میں سر شاہ سلیمان (م ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء) جیسے یگانۂ روزگار، ماہر قانون اور فلسفی ولید پور میں پیدا ہوئے۔ جنہوں نے اپنے مورث اعلیٰ ملا محمود کی طرح فلسفہ میں ادب کی اور ادب میں فلسفہ کی شان پیدا کی۔

گھوسی میں شیخ قاضی حبیب اللہ عثمانی، خلیفۂ میر علی عاشقان سرائے میری، مولانا عطاء اللہ (م ۱۰۶۳ھ)، اور ان کے فرزند والاتبار شیخ غلام نقش بند اور مولانا صاحب علی وغیرہ نے علم وفن کی شمع فروزاں کی۔ حال میں اسی علاقے میں برگیڈیر عثمان نے ملک کی آن باقی رکھنے کے لئے اپنی جان دے دی۔ مولانا امجد علی صاحب، بہار شریعت بھی یہیں گذرے ہیں۔

شطاری سلسلے کے مشہور بزرگ شیخ عبدالقدوس عرف شاہ قدن نے نظام آباد میں اور ان کے مسترشد میر علی عاشقان (م ۹۵۵ھ) نے سرائے میر میں رشد وہدایت کا چراغ روشن کیا۔

ماہل اور اس کے مضافات میں شیخ نصیر الدین (م ۹۱۵ھ) اور شیخ مبارک محمدی ماہلی (م ۹۸۳ھ) قلندر پور میں شاہ علی قلندر پوری (م ۱۱۱۸ھ) اور دیوگاؤں میں ملا محمد ماہ دیوگانی (م ۱۰۹۵ھ) جیسے اصحاب علم وعرفان گذرے ہیں۔

تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری میں اعظم گڈھ کے سپہر علم پر جو آفتاب و ماہتاب طلوع ہوئے ان کی فہرست نہایت طویل ہے، قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھانا تھا کہ اس دور میں الفاروق وسیرۃ النبی کے مصنف حجۃ الاسلام علامہ شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء) اور تفسیر نظام القرآن و جمہرۃ البلاغۃ کے مصنف ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہی (م ۱۹۳۰ء) پیدا ہوئے جن کی نکتہ سنجیوں نے علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کی یادیں تازہ کردیں۔

اسی دور میں متو اور مبارک پور میں بڑے متبحر علماء اور صلحا گذرے ہیں، مولانا عبدالرحمن مبارکپوری (م ۱۹۳۵ء) کی شرح ترمذی یعنی تحفۃ الاحوذی کو عرب ملکوں میں بڑی مقبولیت نصیب ہوئی، مبارکپور کے مضافات میں مصطفےٰ آباد کے مولانا محمد شریف (م ۱۳۰۲ھ) جامع معقولات ومنقولات تھے، رسول پور کے مولانا عبدالعلیم (م ۱۳۳۱ھ) اور مولانا احمد حسین رسولپوری، صاحب تصانیف کثیرہ تھے، مبارکپور ہی کے قرب وجوار میں اللو واقع ہے یہاں بھی متعدد بلند پایہ علما گذرے ہیں۔ پھریہا، رواں، چتارا اور چاندپار بھی اصحابِ علم سے معمور تھے۔

ابھی چند برس پہلے تک جیراجپور علماء کا اور اب جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا مرکز ہے، مولانا سلامت اللہ جیراجپوری (م ۱۳۲۳ھ) اور ان کے صاحبزادے مولانا حافظ محمد اسلم جیراجپوری (م ۱۹۵۴ء) سے تمام علمی حلقے اچھی طرح واقف ہیں۔

حضرات!

یہ عہد گل کا فسانہ تھا جو خواب و خیال ہو چکا۔ اب ذرا تماشائے خزاں بھی دیکھئے جس سے ہمارا اور آپ کا تعلق ہے

در موسمِ گل گر بہ گلستاں نہ رسیدیم   از دست ندادیم تماشائے خزاں را

اس موسم خزاں میں بھی ابر رحمت درفشاں ہے، مولانا امین احسن اصلاحی اطال اللہ بقاءہ صاحب تدبر قرآن اور حال ہی میں وفات پانے والے محدث العصر مولانا حبیب الرحمن الاعظمی اور شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی شارح مشکوٰۃ کی خاموش علمی و دینی خدمات کا چرچا ہندو پاک کے باہر بھی ہوتا رہا ہے۔

ان حضرات کے بعد مولانا قاضی اطہر مبارکپوری بھی اپنی وقیع تصنیفات کی وجہ سے عرب ملکوں میں مشہور ہیں۔

شعر، ادب اور تنقید میں پہلے اقبال سہیل اور مرزا احسان احمد نے اپنے جوہر دکھائے اور ترقی پسند ادب کا دور دورہ ہوا تو پروفیسر احتشام حسین، علی جواد زیدی اور ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی محقق و نقاد بن کر ابھرے، آخر الذکر دونوں اچھے شاعر بھی ہیں، ترقی پسند شعرا میں کیفی اعظمی اور شمیم کرہانی کا اپنا درجہ ہے۔ اور اب جدیدیت کے دور میں شمس الرحمن فاروقی کی شہرت نصف النہار پر پہنچ چکی ہے، یحییٰ اعظمی نے سہیل کے طرز سخن کو اپنایا مگر فضا ابن فیضی کے منفرد رنگ میں قدیم و جدید کا امتزاج ہے۔

بعض دینی جماعتوں کی قیادت کا سہرا بھی اسی ضلع کے سر رہا، ۱۹۴۷ء کے پر آشوب دور سے ہی چند برسوں کو چھوڑ کر اپنی وفات تک حکومت میں معتوب جماعت اسلامی ہند کی مسلسل سربراہی جس خوبی اور سلامت روی کے ساتھ مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی نے کی اس کے معترف جماعت کے مخالفین بھی ہیں، مولانا مختار احمد ندوی کئی برس سے جمعیۃ اہل حدیث کے امیر ہیں۔

تصوف و سلوک میں مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری، مولانا شاہ وصی اللہ فتحپوری اور مولانا محمد سعید کا فیض برصغیر میں جاری ہے۔

عالم گیر شہرت کے حامل مدارس میں بھی اعظم گڈھ کا عمل دخل رہا اور اب بھی ہے، پہلے علامہ شبلی ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم اور مولانا حفیظ اللہ بندوی اس کے مہتمم تھے اور اب مولانا

مفتی محمد ظہور ندوی اور مولانا سعید الرحمن الاعظمی مدیر البعث الاسلامی اس کی اہم ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہیں، مولانا ڈاکٹر مقتدیٰ حسین ازہری مدیر صوت الجامعہ جامعہ سلفیہ بنارس کے بڑے منصب پر فائز ہیں، دار العلوم دیوبند کے بھی بعض اہم عہدوں پر شیراز ہند کے اس حصہ کے علماء متمکن ہیں۔

خود اعظم گڈھ کے قصبات میں بڑے بڑے مدرسوں کا دریائے فیض مدت دراز سے جاری ہے، مئو کے دار العلوم، مفتاح العلوم، فیض عام، جامعہ عالیہ، دار الحدیث، مبارک پور کے جامعہ احیاء العلوم و جامعہ اشرفیہ اور سرائے میر کے مدرسۃ الاصلاح کی شہرت تعارف سے مستغنی ہے، جین پور، گھوسی، کوپاگنج اور جہاناگنج میں بھی بڑے مدارس عرصہ سے قائم ہیں اور اب تو گاؤں گاؤں میں عربی مدرسے قائم ہوگئے ہیں جن میں جامعۃ الفلاح بلریاگنج بہت ممتاز ہے۔

بین الاقوامی شہرت کے حامل اور ملک کے مایہ ناز علمی و تحقیقی ادارہ دار المصنفین کو بھی یہی سرزمین اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے، جس کی بغل میں علامہ شبلی کی دوسری یادگار شبلی نیشنل پوسٹ گریجویٹ کالج بھی ہے جو اتر پردیش میں مسلمانوں کا بہت ممتاز کالج سمجھا جاتا ہے اور جس کی بدولت یہاں کے لوگ جدید تعلیم میں بھی پیچھے نہیں ہیں۔

حضرات گرامی!

اس مقامی داستان کو یہیں چھوڑ کر اب میں مذاکرہ کے موضوع کی طرف آتا ہوں۔

سیر و تذکرہ مسلمانوں کا نہایت محبوب موضوع ہے اور اس کو انہوں نے حد کمال تک پہنچا دیا ہے، یہ دراصل علم تاریخ ہی کا ایک حصہ ہے جس کی بنیادیں قرآن مجید میں بھی موجود ہیں، حضرت یوسفؑ کی سرگذشت کے خاتمہ میں فرمایا:

لقد کان فی قصصہم عبرۃ لاولی الالباب۔

یہی وجہ ہے کہ تاریخ و جغرافیہ کی کتابوں میں بھی اقوام و ملل کی سرگذشتیں اور افراد و اشخاص کے حالات مذکور ہوتے ہیں۔

سیر کا اطلاق عام لوگوں کے حالات و سوانح پر لکھی جانے والی کتابوں پر بھی ہوتا ہے مگر اب اس طرح کی کتابوں کے لئے تذکرہ و تراجم کے الفاظ مخصوص ہوگئے ہیں اور سیر و سیرت کا اطلاق عموماً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں لکھی جانے والی کتابوں پر ہوتا ہے۔ ابتدا میں متقدمین کے یہاں سیر کے بجائے مغازی کا لفظ عام تھا جن میں آپ کے غزوات کے واقعات

زیادہ نمایاں ہوتے تھے۔ متقدمین کی کتب دلائل میں ان چیزوں کا ذکر ہوتا ہے جن کے لئے اب معجزات کی اصطلاح رائج ہو گئی ہے، شمائل کی کتابوں کا تعلق بھی سیرت ہی سے ہے، ان میں آپ کے عادات و خصائل اور حلیہ مبارکہ کا بیان ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے مسلمانوں کا جو والہانہ تعلق ہے، اس کی بنا پر شروع ہی سے مذکورہ بالا عنوانات کے تحت آپ پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں۔ جن کا ذکر فہارس میں موجود ہے، مولانا شبلی نے بھی اپنی سیرۃ النبی کے مقدمہ میں سیر، مغازی اور شمائل کی کتابوں کی فہرست دی ہے اور ان کا پایہ و درجہ بھی بتا دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کے حالات اور واقعات کا ایک ایک حرف اس استقصا کے ساتھ محفوظ رکھا کہ کسی شخص کے حالات آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلم بند نہیں ہوسکے اور نہ آئندہ توقع کی جاسکتی ہے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال کی تحقیق ہی کی غرض سے آپ کے دیکھنے والوں اور ملنے والوں کے نام اور حالات قلم بند کیے گئے اور اس زمانہ میں کیے گئے، جب تصنیف و تالیف کا آغاز تھا۔ اس طرح کی جو کتابیں لکھی گئیں ان میں بعض صحابہ کرام کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر بھی مشتمل تھیں اور بعض صحابہ کرام ہی کے تذکرہ کے لئے مخصوص تھیں۔ بعض کتابوں میں صرف خلفائے راشدین، بعض میں عشرہ مبشرہ اور بعض میں کسی خاص جگہ کے اور بعض میں کسی خاص جگہ جاکر آباد ہونے والے صحابہ کا تذکرہ ہے۔

اسی طرح صحابہ کرام کو دیکھنے اور ملنے والوں یعنی تابعین اور ان کے دیکھنے اور ملنے والوں کے حالات میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں اور بعض کسی ایک ہی طبقہ کے حالات کا مجموعہ تھیں، اور بعض میں صحابہ و تابعین کا مشترکہ تذکرہ ہوتا ہے۔

مسلمانوں نے فن سیرت کا بلند معیار قائم کرنے کے لئے یہ اصول قائم کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے جو بات یا واقعہ بیان کیا جائے وہ صحت و وثوق سے خالی نہ ہو بلکہ ہر طرح مستند و محقق ہو، اس غرض سے حدیث کے راویوں اور سیرت کے واقعات بیان کرنے والوں کے متعلق خوب چھان بین کی گئی اور اس کے لئے بہت سے محدثین نے اپنی

عمریں صرف کر دیں۔ ان تحقیقات کے نتیجہ میں اسماء الرجال کا وہ عظیم الشان فن وجود میں آیا، جس کی بدولت آج لاکھوں اشخاص کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔

اسماء الرجال کی بعض کتابیں صرف ثقات اور معتبر لوگوں کے اور بعض ضعفاء و متروکین اور مجروحین کے تذکرہ کے لئے مخصوص ہوتی ہیں اور بعض میں ثقات و ضعفا کا ملا جلا تذکرہ ہوتا ہے۔

بعض لوگوں نے صرف امام بخاریؒ کے اور بعض نے شیخین کے رواۃ پر کتابیں لکھی ہیں اور بعض نے صحاح ستہ کے رجال پر تصنیفات تیار کی ہیں۔ اسی طرح بعض اور کتب حدیث کے راویوں پر مستقل رسالے قلمبند کئے گئے ہیں۔

ایک قسم طبقات کی ہے، اس طرح کی کتابوں کے مصنفین نے ابتدا سے اپنے دور تک کے رجال کے مختلف طبقے قائم کر کے ان کے حالات قلم بند کئے ہیں۔

راویان حدیث کے ناموں میں التباس سے بچنے کے لئے اسماء و کنی و القاب پر متعدد کتابیں لکھی گئیں۔

جن راویوں کے ناموں، کنیتوں اور القاب کا املا یکساں مگر تلفظ مختلف ہوتا، ان کے بارہ میں اشتباہ نہ ہونے کے لئے علماء نے المؤتلف والمختلف کے نام سے کتابیں لکھیں۔

وہ نام و نسب جن کا املا و تلفظ یکساں ہونے کے باوجود مسمیٰ (شخصیت) الگ ہوتا ہے ان کے بارے میں غلطی سے محفوظ رہنے کے لئے المتفق والمفترق کے عنوان سے کتابیں لکھی گئیں، امام نووی نے تقریب میں اس کی سات شکلوں کا ذکر کیا ہے۔

المتشابہ یا المشتبہ فی النسبۃ اوالاسماء وغیرہ بھی اسماء الرجال کی ایک شاخ ہے۔ بعض رجال کے تذکرے ان کے خاندان یا وطن کے لحاظ سے لکھے گئے ہیں۔ اسی طرح کتاب الانساب کے نام سے جو کتابیں لکھی گئیں ان میں بھی رواۃ کے حالات مذکور ہیں۔

تراجم اور تذکرہ کی جو کتابیں مرتب ہوئیں ان کی بھی بے شمار قسمیں ہیں، بعض کتابوں میں صرف خلفائے راشدین کا اور بعض میں ان کے ساتھ اموی و عباسی خلفا کا بھی تذکرہ ہے، بنو امیہ اندلس، فاطمیین مصر غرض ہر جگہ کے خلفا و سلاطین پر علحدہ بھی کتابیں تحریر ہوئیں اور سب کو ایک ہی کتاب میں سمیٹ لینے کی کوشش بھی کی گئی، بعض اہم سلاطین و امرا اور بعض مشہور حکمراں خاندانوں پر بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں۔

اسلام کی بدولت جو علوم و فنون وجود میں آئے، ان کے ماہرین و فضلا کے حالات کے مجموعے مرتب کئے گئے اور ان کے مختلف طبقات قائم کر کے ہر ہر طبقہ کے مشاہیر و اعیان کا علحدہ حال بھی بیان کیا گیا جیسے قراء، مفسرین، محدثین، ائمہ رجال، فقہاء، قضاۃ، متکلمین، اصولیین، عُبّاد و نُسّاک، ادباء، شعراء، نحاۃ، صرفیین، ائمہ لغت، علمائے معانی و بیان، اطبا و حکماء، معبرین اور خطاطین وغیرہ۔

پھر ان طبقوں میں بھی طبقے قائم ہوئے مثلاً حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی فقہا کے الگ الگ تذکرے لکھے گئے، علمائے اصول و فرائض کے تذکرے بھی علحدہ مرتب ہوئے۔ متکلمین میں اشاعرہ و معتزلہ اور دوسرے فرقوں کے اعیان کے حالات پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ شعرا میں جاہلین، مخضرمین، اسلامیین، مولدین، محدثین وغیرہ طبقے قائم ہوئے اور ان کے اعتبار سے کتابیں وجود میں آئیں، تفسیر و حدیث میں بھی بعض علما نے الفاظ و لغات کو موضوع بنایا، بعض نے متکلمانہ، فقیہانہ اور صوفیانہ تفسیریں لکھیں، بعض نے ماثوری اور بعض نے منقولی تفسیریں لکھیں، اسی لحاظ سے ان کے طبقات بھی قائم ہوئے، نحویوں اور اہل لغت کے بھی مختلف اسکول اور مکاتب فکر تھے۔ اس لئے ان کے طبقے قائم کر کے کتابیں لکھی گئیں، علماء کے صدی وار تذکرے بھی لکھے گئے اور شہروں کے لحاظ سے بھی۔

حضرات!

یہ موضوع نہایت طویل ہے اس اجمالی جائزہ سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں نے بایوگرافی کے فن کو کتنی وسعت اور ترقی دی ہے۔ اس ترقی یافتہ دور میں جو کچھ ہوا ہے، وہ صرف الوان تمدن کے نقش و نگار ہیں۔

ہندوستان بھی اسلامی علوم کی خدمت میں مسلم ممالک سے کمتر نہیں رہا ہے، یہاں بھی سیرت، تذکرہ اور سوانح نگاری کے میدانوں میں وہ سارے کام انجام پائے جن کا حال آپ اوپر سن چکے ہیں بلکہ بعض حیثیتوں سے اس کو یک گونہ امتیاز رہا ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"ہندوستان کے اسلامی دور میں دو قسم کی بادشاہت ساتھ ساتھ قائم تھی، ایک تو تخت و تاج کے حکمرانوں کی اور دوسری خانقاہ کے بوریا نشینوں کی، ایک توپ و تفنگ سے مملکت کو اپنے زیر نگیں کرتے تھے تو دوسرے اپنے بلند اخلاق اور اعلیٰ اوصاف کے ذریعہ سے ذہن و قلب کی

تسخیر کرتے تھے اور آج یہ کہنا مشکل ہے کہ دونوں میں کس کے اثرات زیادہ غالب رہے"۔

اس لئے یہاں سلاطین اور امرا کی طرح صوفیہ و مشائخ کے تذکروں پر بڑی توجہ دی گئی، پہلے فارسی میں سیر و سوانح اور تذکرہ و تراجم کی کتابیں لکھنے کا زیادہ رواج تھا اور اب اردو میں ہو گیا ہے، اس نوع کی کتابیں عربی میں لکھنے کا رواج پہلے بھی تھا اور اب بھی کسی قدر ہے۔

طوالت کی بنا پر سوانح نگار اور تذکرہ نویس ہندوستانی علماء و مصنفین کا نام اور ان کی تصنیفات کی فہرست دینا ممکن نہیں ہے تاہم متاخرین میں میر غلام علی آزاد بلگرامی (م ۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۵ء) کی خدمات ناقابل فراموش ہیں جنھوں نے سبحۃ المرجان، مآثر الکرام، سرو آزاد، ید بیضا، شجرۂ طیبہ وغیرہ لکھیں۔

نواب صدیق حسن خاں (م ۱۸۹۰ء) نے بھی اس میدان میں بڑا کام کیا اور ابجد العلوم، اتحاف النبلا، تقصار جیود الاحرار، التاج المکلل، ریاض الجنۃ فی تراجم اہل السنۃ، نگارستان سخن اور صحابہ و ائمہ اربعہ کے مناقب اور انساب پر کتابیں لکھیں، حکیم مولانا سید عبد الحی کی الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند اور نزہۃ الخواطر بھی اس فن کا اہم سرمایہ ہیں۔ مولوی رحمان علی کی تذکرہ علمائے ہند اور مولانا قاضی اطہر مبارکپوری کی رجال السند و الہند کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

معزز حضرات!

آپ کا التفات دیکھ کر بے اختیار جی چاہتا ہے کہ سیر و تذکرہ نگاری میں دارالمصنفین کی خدمات پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے۔

اس میدان میں علامہ شبلی کے کارنامے اظہر من الشمس ہیں، انھوں نے جب ناموران اسلام کا سلسلہ شروع کیا تو الفاروق، سیرۃ النعمان، المامون، الغزالی اور سوانح مولانا روم لکھی۔

شعر العجم میں فارسی شاعری کی عہد بعہد تاریخ اور ممتاز شعرا کے کلام پر تبصرہ کے علاوہ ان کا مبسوط تذکرہ بھی ہے۔ الکلام میں بھی بعض کبار متکلمین اسلام کا تذکرہ ہے۔

مولانا نے سوانح اور اعلام کے تراجم پر الندوہ وغیرہ میں جو مضامین لکھے ان کے مجموعہ مقالات کی دو جلدیں ان پر مشتمل ہیں۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے انہیں شروع ہی

سے عشق تھا، اپنی تصنیفی زندگی کے آغاز میں رسالہ بدء الاسلام لکھا، سیرت پر ایک جامع، مستند اور مبسوط کتاب لکھنے کا خیال انہیں بہت پہلے سے تھا لیکن اس کی دشواریوں اور وسائل کی کمی کی بنا پر اس کو مکمل کرنے کا ارادہ آخر میں کیا مگر دو جلدیں ہی لکھ سکے تھے کہ داعی اجل کا پیغام آگیا۔

علامہ شبلی کے عزیز شاگرد مولانا سید سلیمان ندوی نے بقیہ پانچوں جلدیں لکھ کر سلسلہء سیرت کو مکمل بھی کیا اور خطبات مدراس میں سیرت نبوی کا عطر کشید کیا، بچوں کے لئے رحمت عالم لکھی۔

سوانح میں حیات امام مالک، سیرت عائشہ، خیام، حیات شبلی، یاد رفتگاں جیسی محققانہ اور بلند پایہ کتابیں لکھیں۔

مولانا عبدالسلام ندوی نے، اسوہء صحابہ (دو جلدیں)، سیر الصحابیات، سیرت عمر بن عبدالعزیز، شعر الہند (دو جلدیں) اقبال کامل، امام رازی، حکمائے اسلام (دو جلدیں) ابن خلدون، ابن یمین، فقرائے اسلام وغیرہ لکھ کر اردو تذکرہ نگاری اور سوانحی ادب میں بیش قیمت اضافہ کیا۔

مولانا حاجی معین الدین ندوی نے خلفائے راشدین اور مہاجرین حصہ اول لکھی۔

مولانا سعید انصاری نے سیر انصار کی دو جلدیں اور سیر الصحابیات نیز سیر الصحابہ (دو جلدیں) لکھیں۔

مولانا عبدالباری ندوی کی تصنیفات برکلے اور ان کا فلسفہ اور جامع المجددین بھی اسی ذیل میں آتی ہیں۔

مولانا سید ابو ظفر ندوی نے محمد بن طاہر پٹنی کا تذکرہ اور مراۃ احمدی کا اردو ترجمہ اولیائے گجرات کے نام سے کیا، ان کی تصنیفات تاریخ سندھ اور تاریخ گجرات میں بھی حکمرانوں اور علماء و اعیان کے تذکرے آگئے ہیں۔

مولانا ابو الجلال ندوی نے اعلام قرآن پر معرکۃ الآرا مضامین لکھے۔

ڈاکٹر محمد عزیز کی دولت عثمانیہ میں حکمرانوں کے ساتھ اہل علم کے حالات بھی درج ہیں۔

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی نے مہاجرین حصہ دوم سیر الصحابہ ششم و ہفتم، تابعین، حیات سلیمان لکھی اور تاریخ اسلام کی چار جلدوں میں رسول اللہؐ، خلفائے راشدین، خلفائے بنو امیہ و بنو عباس کے حالات لکھے۔

(۴۲)

مولانا ریاست علی ندوی کی کتابوں تاریخ اندلس اور تاریخ صقلیہ میں مختلف طبقوں کے علماء و اہل فن کا تذکرہ ہے، انھوں نے ائمہ اسلام پر بھی ایک کتاب لکھی تھی۔

افضل العلماء مولانا محمد یوسف کوکن نے سیرۃ امام ابن تیمیہ لکھی جو بہت ضخیم ہے۔

جناب سید صباح الدین عبدالرحمن مرحوم کی تصانیف بزم تیموریہ، بزم مملوکیہ، بزم صوفیہ ظہیرالدین بابر، مولانا محمد علی، ڈاکٹر سید محمود اور بزم رفتگاں کی دو جلدیں بھی سوانحی ادب کا سرمایہ ہیں۔

مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کی ہماری بادشاہی اور ہندوستان کی کہانی میں بھی حکمرانوں کے حالات ہیں۔

مولانا محمد اویس نگرامی ندوی نے بھی بعض اچھے سوانحی مضامین لکھے۔

مولانا حافظ مجیب اللہ ندوی نے اہل کتاب صحابہ و تابعین اور تبع تابعین جلد اول لکھی دوسری جلد مولانا حافظ ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی کی کدو کاوش کا نتیجہ ہے۔

راقم نے تذکرۃ المحدثین کی تین جلدیں اور چند ارباب کمال کے علاوہ بہت سے سوانحی مضامین معارف اور دوسرے رسالوں میں لکھے۔

مولوی حافظ عمیر الصدیق دریابادی ندوی تذکرۃ الفقہا کی پہلی جلد مرتب کرچکے ہیں اور دوسری زیر ترتیب ہے۔

مولوی محمد عارف عمری کی تذکرہ مفسرین ہند کی پہلی جلد چھپ گئی ہے اور دوسری زیر ترتیب ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ گل رعنا (مولانا حکیم سید عبدالحئی) ابن رشد (مولانا یونس فرنگی محلی) اور صاحب المثنوی (قاضی تلمذ حسین) اور مرزا مظہر جان جاناں (عبدالرزاق قریشی) کو بھی دارالمصنفین نے شائع کیا، اور یہ سب یہاں کی اہم مطبوعات ہیں۔

دارالمصنفین کے صدور میں حبیب شبلی صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی نے سیرۃ الصدیق تذکرہ بابر، علمائے سلف، نابینا علماء، استاذ العلماء، حالات حزیں، قرۃ العین، ذکر محبوب، رسائل سیرت لکھے جو مختصر ہونے کے باوجود نواب صاحب کے خاص طرز نگارش کی وجہ سے نہایت دلکش اور دل پذیر ہیں۔

مولانا عبدالماجد دریابادی نے حکیم الامت اور محمد علی (دو جلدیں) لکھ کر سوانح نگاری کا

ایک نیا نمونہ پیش کیا، اعلام قرآن پر بھی کتاب لکھی۔ اکبر نامہ میں اکبر الہ آبادی کی سیرت کے جلوے بھی دکھائے اور مردوں کی مسیحائی میں سیرت کے بعض پہلو اپنے مخصوص انداز میں پیش کئے۔

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے تاریخ دعوت و عزیمت (۵ جلدیں) سیرت سید احمد شہید، تذکرہ، مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی، نبی رحمت، پرانے چراغ (دو حصے) اور اپنی آپ بیتی کے چار حصے لکھے۔

نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی (م ۱۹۲۶ء) جسٹس سید کرامت حسین (م ۱۹۱۷ء) ڈاکٹر سید محمود اور نواب مفخم جاہ نے غالبا سوانحی ادب میں کوئی ذخیرہ نہیں چھوڑا مگر یہ تمام حضرات علم و ادب پرور اور اچھا علمی و ادبی ذوق رکھتے ہیں، مولانا حمید الدین فراہی قرآن مجید کے ادب و بلاغت کے نکتہ شناس اور اس کے متبحر عالم تھے، اور اس موضوع پر متعدد بلند پایہ کتابیں لکھیں۔

موجودہ اور گذشتہ ارکان میں سب ہی اچھا علمی و ادبی ذوق رکھتے تھے پروفیسر خلیق احمد نظامی کی تاریخ مشائخ چشت کے علاوہ مختلف سوانحی تصانیف ہیں، پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی نے ذاکر صاحب کی مبسوط سوانح عمری لکھی ہے اور اب اسی انداز کی مولانا ابو الکلام آزاد کی سوانح عمری لکھ رہے ہیں، ڈاکٹر مولانا تقی الدین ندوی نے محدثین عظام اور فن اسماء الرجال پر معلومات افزا کتابیں لکھیں، مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی اور مولانا سید محمد رابع ندوی عربی و اردو کے اچھے اہل قلم اور صاحب تصنیفات ہیں۔

اعظم گڈھ کے دوسرے اصحاب علم نے بھی اس میدان میں گوناگوں کام کئے جن کا احاطہ مشکل ہے مولوی مبین کیفی چریاکوٹی کی جواہر سخن، مولانا عبد السلام مبارکپوری کی سیرۃ البخاری، مولانا حبیب الرحمن الاعظمی کی اعیان الحجاج، مولانا حافظ اسلم جیراج پوری کی تاریخ الامت حیات حافظ اور حیات جامی وغیرہ بڑی اہم کتابیں ہیں، مولانا نجم الدین اصلاحی نے مولانا سید امین نصیر آبادی اور مولانا حسین احمد مدنی کی سوانح عمریاں لکھیں، مولانا قاضی اطہر مبارکپوری نے بھی خاصا کام کیا ہے، ان کی اور مولوی حبیب الرحمن جگدیش پوری کی توجہ اپنے دیار کی طرف بھی ہے، اول الذکر نے دیار پورب میں علم و علما اور تذکرہ علمائے مبارکپور اور موخر الذکر نے تذکرہ علمائے اعظم گڈھ لکھ کر نام نیک رفتگاں ضائع مکن پر عمل کیا۔ سوانح و تذکرہ نگاری اور خاکہ نگاری کے نئے انداز میں پھول پور تحصیل کے محمد ایوب واقف حوصلہ، بال و پر دکھا رہے

ہیں۔ اور مولانا صفی الرحمن مبارکپوری کی الرحیق المختوم عالمی شہرت حاصل کر رہی ہے۔

حضرات!

میری طویل سمع خراشی اور کج مج بیانی سے آپ گھبرا اٹھے ہوں گے اور کیا عجب کہ یہ شعر آپ کی زبان پر آرہا ہو:

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر — اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے میں

نہایت شکر گذار ہوں کہ آپ نے بہت صبر و سکون سے میرے ہفوات سنے، آپ کا ایک مرتبہ پھر گرم جوشی سے خیر مقدم کرتے ہوئے بیٹھنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ میری معروضات کی کمی کی تلافی خطبہ صدارت سے ہو جائے گی۔